

دوسری جانب معاشرے میں برابری اور تیسری طرف رزقِ حلال کا حصول ایسے معیاری اور مشکل اصول ہیں جو اسلامی معاشرے میں انصاف کو روح رواں بننے نہیں دیا۔

اس معاملے میں مغرب والے ہم لوگوں پر سبقت لے گئے۔ وہاں گروہی شناخت اور فرد کی اہمیت کی بجائے Ethnic Group، ذات، نسل، قبیلے کی مرہونِ منت نہیں۔ رنگ کا مسئلہ انہیں درپیش تو ضرور ہے لیکن انہیں ہمسواری نے انصاف اور قانون کا احترام آسان کر دیا اور کچھ بولنے اور حق دینے میں کچھ ایسی دشواری پیش نہیں آتی۔ شمال کی جانب سے آنے والے مسلمان حملہ آور آریائی قوموں سے کچھ مختلف نہ تھے۔ انہیں قدروں کی پاسداری ملحوظ نہ تھی۔ ساسانی، ایرانی، افغانی، یونانی سارے احساسِ برتری سے سرشار تھے، لیکن وہ دنیا میں گھل مل کر اپنی شناخت کھونا نہیں چاہتے تھے۔ رنگ و نسل کا تفاخر، رسم و رواج سے وابستگی، اسلام کے نام پر جواز ڈھونڈ لیے گئے اور مقامی لوگوں سے شادی بیاہ، مناجنا قریب قریب ناممکن ہو گیا۔

حملہ آور ویسے بھی فاتح کہلانے کے لیے دشوار گزار راستوں سے آئے تھے۔ وہ چاہے سکندر یا عظیم ہو دوست یا محمود غزنوی اور نادر شاہ کے روپ میں ہلا کو بن کر تھیں نہیں کرنے آیا تھا۔ وہ مقامی لوگوں میں ظلم کی کہانیاں سن رہا تھا، لیکن انصاف کے لیے ہلکتی رعایا کو کوئی علاج نہ پیش کر سکا۔

پنجاب کی سرزمین میں حملہ آوروں کے ساتھ ساتھ اور کبھی کبھی دور دراز سے علی جوہری و اتانگ بخشن بھی لہیک پکارتے اس مقام پر آنکے جسے ظاہر کہتے ہیں۔ بادشاہوں، حملہ آوروں، اونچی جاتی کے مہاراجوں کے سر پر مرہم کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ وہ ان ڈیروں میں پناہ گزیں ہونے لگے، جہاں مفت روٹی ملتی تھی اور دکھڑا نہ۔ رحم دل بابا ملتا تھا۔

لیکن سچ کا راستہ پھر مسدود ہونے لگا۔ لوگ دنیا کے ستارے ہوئے ڈیرے پر آتے تھے، لیکن تلاش تھی، نہ معرفت حق۔ صوفی کے پاس دیئے کو دنیا نہ تھی۔ وہ تو خود بہت کچھ تیاگ کے، دنیا کی راحتوں سے منہ موڑنے کو خواہشات کے چنگل سے نکالنے کا خواب دیکھتا آیا تھا۔

مہا تمباہدہ سے لے کر ماڈرن عہد تک یہی کچھ سکھانے کے لیے کچھ اللہ کے لوگ گھروں سے نکلے تھے۔ کچھ صوفی ایک غریب کے کا سے میں ڈال رہا تھا، اس کی حاجت مند کو ضرورت نہ تھی۔ اس طرح عوام اور پیر کے مریدین اور خلیفہ حضرات کی دروغ گوئی کا ایک انوکھا سلسلہ چل نکلا اور غریب کو پھر صرف احساسِ کمتری ملا۔ انصاف نہ مل پایا۔

سچ کو خوشامد کی خوب صورت چادر اوڑھا کر دفن کر دیا گیا۔ بے لے نسب نامے عرب کے مقتدر قبیلوں سے جانے لگے۔ شجرہ لکھنے اور پڑھنے کا رواج ہوا۔ عام آدمی ایک بار پھر اتنی شان و شوکت کے سامنے ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے اپنے ارد گرد جھوٹ کے شامیانے گاڑھ لیے اور ان میں استراحت کرنے لگا۔ اپنی چوری سینہ زوری کے لیے گردی، عزت کی خاطر مرٹنے یا مار ڈالنے کا جواز اس نے مذہب اور رسم و رواج میں تلاش کر لیا۔

اس طرح مشرق میں انصاف اور قانون کا تصور باقی تو رہا لیکن اضافی شکل میں اس پر عمل مفقود تھا۔ مغرب

حیات کے سوالوں میں کبھی رہے نہ تھے۔ انہیں حملہ آوروں سے بھی اتنا پالا نہ پڑا تھا۔ انہیں مختلف رنگوں سے بھی نپٹنے کی ضرورت نہ تھی۔ گورا، گندمی، گندم گوں، پیازی، سانولا، کالا ایسے الفاظ ان کی لغت میں نہ تھے۔ قدرت نے انہیں اس قدر عطا کر کے بڑی سہولت پیدا کر دی تھی۔

ان کے دو اوصاف

مغرب میں انسان کی شناخت کے لیے دو چیزیں بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ یا تو انسان کے آداب (Manners) اس کی پہچان ہیں یا اس کا کام اور سوسائٹی کا عطا کردہ مقام اس کے Identity Card میں شمار ہوتا ہے۔ ان سے ایک بہت بڑی خوبی اُن میں پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ قانون کے پابند رہتے ہیں۔ ان کے لیے بار بار آئین نہیں ہوتا اور انصاف جو اسلام کا روجِ رواں ہے، ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے اور ان کے معاشرے کی پہچان بن جاتی ہے۔

طبقات وہاں بھی ہیں۔ وہاں بھی ناہمواری ہے۔ انسانی معاشرے میں مکمل برابری ممکن نہیں لیکن وہاں ایک سے دوسرے طبقے میں خروجِ قدرے آسان ہے اور انصاف کی شرائط پوری کرنا کارے دارِ نیست۔ خالص صاحبِ ذہنیت کو سمجھنے کے لیے بڑے پاپڑ، بیلے، بہت ساری کتابوں کی چھان بین کی۔ اُن کے کاغذات میں یہ تحریریں ملیں۔

”ہندو یو مان میں ایک عجیب و غریب پرندے کا ذکر ہے جس کو دالمیک اپنی رامائن میں جٹایو کے نام سے پکارتا ہے۔ بن کے بچوں جٹایو گہری فیند سویا کرتا تھا۔ یہ پنجھی ساٹھ ہزار سال تک گدھوں کا راجہ بن کر رہا اور ان کے لیے جان بٹاتا رہا۔“

ان گدھوں کے پر یوار میں جٹایو کا بڑا بھائی سمپتی بھی رہتا تھا، جس نے اپنے چھوٹے بھائی جٹایو کا جیون بچانے کے لیے اسے اپنے پر نوچ کر دے دیئے تھے کہ وہ دھوپ اور گرمی سے بچا رہے۔ جٹایو اپنے بڑے بھائی کے اس کے کارن ہر گھڑی اس کی سہا بٹاتا کرتا رہتا اور اس کی سار لیتا رہتا۔

جب سری رام چندر جی، لکشمن جی اور سیتا جی بنوں میں مارے مارے پھرتے تھے تو ان کی مدد بھیڑ پنچھیوں کے جٹایو سے ہوئی۔ وہ اسے دیکھ کر گھبرا گئے، پر جٹایو نے سس نوا کر کہا، میں تمہارا مڑ ہوں اور تمہارے باپ شری دشر تھ کا جٹایو ہوں۔ جٹایو نے شری رام چندر جی سے کہا کہ میں تمہارے گھر پر نہ ہونے کے سیتا جی کی دیکھ بھال کیا کروں۔ ان کی رکھوالی کروں گا۔

جب راوَن سیتا جی کو اٹھا کر لے چلا تو سیتا نے غل مچا کر جٹایو کو جگایا۔ جٹایو نے کہا ”ہے راکھشش! تیرے بچے نے دھرتی ڈانواں ڈول ہو جائے گی اور تیری آتما نرک کا بھٹنا بن جائے گی۔ اس ابلاناری کو چھوڑ دے۔“

پورا اپنے کرودھ سے تیرا جنم جلا دے گا۔“

پر راکھشش نہ مانا اور اس نے اپنے بھالے سے جٹایو پر بلہ بول دیا۔ جٹایو نے اپنے پنکھ مارا مڑ گدا اور ان کی

دھنش کو توڑ دیا اور اس کے اڑن کھٹولے کو دھرتی پر گرا دیا۔ سیتا اور راوَن اُڑن کھٹولے سے اس روپ میں گرے۔
 راوَن کی گودی میں آگنی۔ گھڑی دو گھڑی راوَن جٹایو کے ساتھ لڑتا رہا اور پھر بتیا چاری راکشش نے اُچھل کر جٹایو کے
 دونوں پنکھ کنارے کاٹ دیئے۔ جٹایو دھرتی پر لوٹنے لگا۔ سیتا نے جٹایو کا اٹھا کر اپنی نزل چھاتی سے لگا لیا، پرو توڑنے کے
 بجائے آگ کی طرح ٹھنڈا ہو چکا تھا۔“

دالمیک کی رامائن پڑھ کر اشفاق صاحب کو بڑا دکھ ہوا کہ اس نے جٹایو کے کارنامے کو تو بہت بڑھا چڑھا کر لکھا ہے
 ہے لیکن اس کے برادر اکبر سہپتی کا کہیں اور تذکرہ نہیں کیا جس غریب نے اپنے پر جٹایو کو دے کر اتنی بڑی قربانی کی تھی
 جٹایو پر اے پھدے میں لاگت اڑا کر راہی مکتبِ عدم ہو گیا تھا۔ آج میرا جی چاہ رہا ہے کہ رامائن کا تذکرہ کر سہپاتی کی
 پر مزیروشنی ڈالوں کہ بعد میں اس کا کیا بنا۔

مہا بھارت

گہر شرادشی مہاراج جنے کے شرپ یکیہ سے ہو کر ایک رشیوں کی منڈلی میں پہنچتا ہے اور وہاں اُن روایات
 مہا بھارت کے قصے اور واقعات بیان کرتا ہے جو یکیہ کے دوران میں متفرق رشیوں نے بیان کیے۔

شرپ یکیہ کی وجہ

چندر مننی خاندان جس کے چند مشہور افراد میں کرشن جی، راجہ شانتو (جس کے فرزند ہمیشم بنامہ تھے) بھرت
 (راجہ دغنت کا لڑکا) اور پانڈوؤں کا نام قائل ذکر ہے۔ اسی خاندان کا ایک مشہور بادشاہ پرتگھت تھا۔ ایک
 پرتگھت سیروشکار کی غرض سے توبن میں گیا۔ اچانک ساتھیوں سے ٹکڑ گیا۔ مارا مارا پھر رہا تھا کہ ایک رشی نظر آیا
 مون بھرت (چپ سادھے) رکھے مانک سے لو لگائے بیٹھا تھا۔

راجہ نے لاکھ بلایا لیکن اُس کی زبان کو جنبش نہ ہوئی۔ آخر ٹک آ کر راجہ نے ایک مرا ہوا سانپ سمیک
 گلے میں ڈال دیا اور آپ رخصت ہوا۔ راستہ میں شرنگی رشی سے ملاقات ہوئی۔ اسے تمام حالات بتائے۔ اتفاق سے
 شرنگی رشی سمیک کا بیٹا تھا۔ جھٹ سراپ دیا کہ جاتھے آج سے سات دن کے اندر اندر تلشک ناگ ڈس لے۔

باوجودیکہ ہر طرح سے حفاظت کی گئی لیکن تلشک ایک سیب میں داخل ہو کر راجہ کے پاس پہنچا اور چونکہ
 نے سیب تراشا، ڈس کر چلتا بنا۔

اسی راجہ کا بیٹا جنے جب بڑا ہوا تو اُس نے سرپ یکیہ کیا۔ تمام رشیوں منیوں کو اکٹھا کیا۔ ہون جلایا جس
 زمانے بھر کے سانپ اڑا کر آتے اور بھسم ہوتے رہے۔ آخر تلشک جو راجہ اندر کے ہاں پناہ گزیں ہو چکا تھا، آیا
 ہو گیا۔ رشی آستک کے کہے پر راجہ نے سرپ یکیہ بند کر دیا۔

ویاس جی کی پیدائش (اٹھارہ پُران اور وید تصنیف کی)

جھڑی راجاؤں میں ایک راجہ بھوگنہ راہے۔ اس کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ لڑکا تو اُس
 کے چچا اور لڑکی کو ایک ملاح کے سپرد کیا۔ لڑکی کے ذمے یہ کام تھا کہ ریشیوں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے
 پہنچائے۔ بارہ برس کا سن تھا۔ جب ایک دن یا راشرجی جو ایک پنچے ہوئے بزرگ تھے، اس کی معیت میں پار جانے
 کے لیے چلے گئے۔ چونکہ ملاحوں کی لڑکی تھی، اس لیے اُس کے جسم سے مچھلی کی بساند اٹھتی تھی، جس کا اُسے بہت خیال تھا۔
 پہلی بار اُس پر آگیا اور اسی ترنگ میں دعا دی کہ آج سے تیرے جسم سے صندل کی خوشبو آ کرے گی اور اگر حمل ہو
 گا تو جہاں پیدا ہوگا کہ باید و شاید..... ویاس جی پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے ہی جنگلوں کی راہ لی، جہاں ساری زندگی
 تنہا ہی گزار دی۔

راجہ دُشنت و شکنتلا

راجہ جے اپنے خاندان کے حالات سن رہا تھا اور جانتا چاہتا تھا کہ ہندوستان کا نام بھارت ورش کیونکر پڑ گیا۔ سو
 جاننے کے لیے بیان کیا کہ شکنتلا دراصل وشوامتر رشی کی لڑکی تھی۔ رشی کا جب تپ اس قدر بڑھ چکا تھا کہ مہاراج اندر کو اپنے
 کے لالے پڑ گئے۔ اس پر منیکا کو طسب کیا اور ختم صادر فرمایا کہ جا کر رنگ بھنگ کرو۔ منیکا نے کام دیو اور
 کو ساتھ لیا کہ مدد کریں اور حکم خاتم نچالائی۔ وشوامتر اور منیکا کے میل سے شکنتلا پیدا ہوئی۔ رشی مہاراج پھر جب
 میں مشغول ہوئے۔ منیکا نے سوگ کی راہ لی۔ شکنتلا کو نورشی نے بیٹی بنا کر پال لیا۔

ایک دن راجہ دُشنت جنگل میں آئے۔ شکنتلا کا روپ دیکھ کر دل آ گیا۔ گندھرب دوا کیا۔ شکنتلا نے بردان
 کی شکل میں ہوا اور بچہ پیدا ہوا تو وہی تخت و تاج کا وارث ہوگا۔ دُشنت نے بردان دیا اور گھر کی راہ لی۔ کنورشی واپس
 آئے تو دیکھا کہ شکنتلا اپنی ہی جاکتی ہے۔

کچھ عرصہ بعد راجہ بھرت پیدا ہوئے۔ ماں نے بچہ کو راجہ دُشنت کے پاس بھیجا، جس نے پہچاننے سے اس لیے
 کہ زمانے کی طعنہ زنی سے ڈرتا تھا۔ بالآخر آکاش سے آواز آئی کہ یہی فرزند تخت و تاج کا مالک ہوگا۔ سو شکنتلا
 کو اپنی بیٹی اور یوں بھرت کے نام پر ہندوستان کا نام بھارت ورش ہوا۔

بھیشم پتا مہ کی پیدائش

ایک روز برہم سجا کا اجلاس ہوا۔ اس میں مہابھک راجہ بھی آئے اور یوتاؤں کی استریاں بھی تشریف لائیں۔
 بھیشم جی کا حسن و جمال افروز ایسا تھا کہ مہابھک عاشق ہو گئے۔ برہما جی برا فروختہ ہوئے کہ ایسی مجلس میں یہ ایسی بد لحاظی۔
 یہی کہ جاؤ زمین پر ایک جنم بھوگ کر آؤ۔ یہی راجہ شانئو کے روپ میں پیدا ہوئے۔ گنگا جی کے دل میں بھی آگ
 لگی تھی۔

مہابھک کی وجہ سے اپنے باپ برہما سے اجازت لی اور دنیا کا رخ کیا۔ راستے میں آٹھ سبوں ملے کہ جنہیں دنیا
 کی نیکی کاٹنے کا سراپ ملا تھا۔ گنگا جی نے وعدہ کیا کہ انہیں اپنے بطن سے پیدا کر کے جلد از جلد دنیا سے رخصت کر دے

گی لیکن ایک بچہ دنیا میں باقی رہے گا۔ ایک سبوجس کا نام دیوتھاراضی ہو گیا لیکن یہ شرط پیش کی کہ جب تک جیوں کا کچھ دنیاوی جھنجھٹ میں نہ پڑوں گا۔ یعنی شادی بیاہ نہ کروں گا۔

گنگا کی شادی شانٹو سے ہوئی تو اس نے راجہ سے برمانگا کہ جو کچھ میں کروں مجھے ٹو کننا نہیں۔ سات برس کے ہاں لڑکے پیدا ہوئے۔ وہ بچہ پیدا ہوتے ہی گنگا کے سپرد کر دیتی تھی۔ جب آٹھویں بار حمل ہوا تو شانٹو ناراض ہو گیا کہ اس بار بچہ میرا ہوگا۔ بچہ (دیو برت) پیدا ہوا تو گنگا رخصت ہوئی کیونکہ راجہ نے اسے ٹوک دیا تھا۔ اس طرح دیو برت جس کا نام بعد کو بھیشم پتاما ہوا اور جس نے ساری زندگی برہم چاری کی زندگی بسر کی۔

راجہ شانٹو کی متسودری سے شادی

متسودری جس کا نام اس کی خوشبو کے باعث جو جن گندھا پڑ گیا تھا، ایک دریا پر ملائی کرنے جاتی تھی۔ یہ شانٹو کو خوشبو کشاں کشاں کیچھے لائی۔ دیکھا تو صورت بھی بڑا کی نظر آئی۔ ملاج سے لڑکی کا مدعی ہوا لیکن ملاج نال گیا۔ مہ پہنچا تو حالت غیر دیکھ کر بھیشم پتاما نے وجہ پوچھی۔ جب علم ہوا کہ یوں جو جن گندھا کے لیے پریشان ہیں تو ملاج کے پاتے پہنچا اور ہر ممکن شرط ماننے کو تیار ہو کھڑا ہوا۔ ملاج نے کہا کہ میری بچی کے بطن سے جو بچہ پیدا ہو وہی بادشاہ بنے۔ بھیشم پتاما نے وعدہ کیا کہ جیتے جی شادی ہی نہ کرے گا تا کہ متسودری کا بچہ راج گندی کا وارث ہو سکے۔ اپنے باپ کے لیے متسودری کو لے کر روانہ ہوا۔ یاد رہے اسی متسودری کے بطن سے ویاس جی بھی پیدا ہوئے تھے اور اسی رانی کا نام راجہ شانٹو نے رانی ستوتی رکھا۔

متسوتی کے بطن سے دو فرزند تولد ہوئے۔ چترانگد اور پختر بیرج۔ ابھی دونوں کمسن تھے کہ راجہ شانٹو کا انتقال ہو گیا۔ بھیشم پتاما نے بڑے لڑکے کو گندی پر بٹھا کر نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیا، لیکن بڑا لڑکا نالائق ثابت ہوا اور ایک سال میں مارا گیا اور یوں پختر بیرج راجا ہوا۔ وہ بڑا نیک۔ چلن اور راست باز تھا۔ بھیشم کی باتیں من و عن مانتا تھا۔

جب پختر بیرج سن بلوغ کو پہنچا تو ان ہی دنوں راجا کاشی نے اپنی تین راجبھاریوں ایسا، ابا لکا اور ابیکا کا سونہرا رچایا۔ بھیشم پتاما پختر بیرج کو لے کر پہنچے اور سونہرے اصول جہندامیدواروں کے گوش گزار کیے۔

- 1- برہم دواہ: دفتر کو آراستہ کر کے ہاتھ میں پانی دے کر کنیا دان کیا جائے۔
- 2- اُسردواہ: دولت کا لالچ دے کر عزیز و اقارب کو پھانس لیا جائے اور یوں لڑکی سے دواہ کیا جائے۔
- 3- راکھش دواہ: زبردستی اور ظلم سے لڑکی کے والدین کو رضامند کیا جائے اور پھر لڑکی کی رضامندی کے خلاف شادی کی جائے۔

- 4- گندھرب دواہ: عورت اور مرد جوشِ محبت میں بیاہ کر لیں۔ افضل مانا گیا ہے۔
- 5- آرش دواہ: یہ افضل تو نہیں لیکن رائج ہے۔ دو گائیں خاوند سے وصول کر کے لڑکی سپرد کردی جائے۔
- 6- دیو دواہ: اعلیٰ درجے کا مانا گیا ہے۔ سونہرا اسی اصول پر ہوتے ہیں۔
- 7- پر جابت دواہ: افضل مانا گیا ہے۔ جہیز دے کر لائق لڑکا ڈھونڈ کر لڑکی بیاہ دی جائے۔

پتہ بتا دیا: حد درجہ کا ناقص اور داخل گناہ ہے۔ لڑکی کو جو اس باختہ پاکر یا نشہ پلا کر اڑا لے جانا۔

بھیشم پتامہ نے اپنے زور بازو سے تینوں راجکماریاں سنبھالیں اور چلتے بنے۔ راہ میں کئی ایک راجوں سے ٹکرائی ہوئی لیکن سبھی ہار گئے اور بھیشم پتامہ تینوں لڑکیوں کو لے ہستنا پور پہنچے۔ اپنا موقع پا کر گزارش کی کہ چونکہ یہ تین لڑکیاں مگھتیر ہوں اس لیے مجھے معاف کیجیے اور اس کے پاس بھجوائیے۔

بھیشم مان گئے اور یوں پختہ بیرج کی دور انیاں ہوئیں۔ کچھ عرصہ کے بعد راجہ لا ولد ہی مر گیا اور مہارانی ستوتی کی فکر میں ویاس جی کو بلایا کہ اب انتظام فرمائیے۔ جائز وارث کوئی نہیں اور رانیاں گھلی مرتی ہیں۔ ویاس جی نے اس سے کہہ بن بھن کر میرے پاس آئیں اور نہ گھبرائیں۔ پہلے ابر کا گئی۔ پچاری ویاس جی کو دیکھ کر ایسی گھبرائی کہ سانس نہ لیں۔ اسی لیے اندھے دھڑاشر پیدا ہوئے۔ پھر اپنا کا گئی۔ دیکھتے ہی رنگ اڑ گیا۔ اس کے بطن سے پانڈو پیدا ہوئے۔ بعد ازاں لے چالا کی سے ایک خواص بھیجی۔ اس کے ہاں بڑی پیدا ہوئے۔

پختہ بیرج

دھڑاشر	پانڈو	(ماروی کے بطن سے)
ابیکا (گندھاری کے بطن سے)	پانڈو	بڑی
ور یودھن	ابیکا (کنتی کے بطن سے)	
کنتی	جد حشر	
روشن	بھیم سن	
نند	ارجن	
(موبھائی)	نکل	

سہ یو

دھڑاشر کی بیوی گندھاری کو ایک جوگی کا بردان تھا کہ سو بیٹے کھلائے گی۔ ابھی اس کو حمل باقی تھا جب اسے خبر پڑی کہ خدا نے پانچ لڑکے عطا کیے تو مارے حسد کے پیٹ پیٹنے لگی۔ حمل گر گیا۔ اب اس نے جوگی کی دیہائی دی کہ وہ اسے دیا۔ رشی جی کا نزول ہوا۔ حکم ہوا کہ گوشت کے لوتھڑے کو سو حصوں میں تقسیم کر کے سو گھی کے متکوں میں بند کر دو اور کھجور سوکھو رو پیدا ہوں۔

مہارانی کنتی جب چھوٹی تھی دربار ساراش نے اسے ایک منتر سکھایا کہ جب چاہو گی کسی دیوتا کو بلا سکو گی۔ جب اسے پہنچی تو ایک دن اس منتر کی آزمائش کی اور سرج نارائن کو بلایا۔ وہ حاضر ہوئے تو آتے ہی عاشق ہو گئے۔ حمل ٹھہر گیا۔ یہ سب سہ یو کا نام ہے۔ وقت معین پر کرن پیدا ہوا اور کنتی نے پانی میں ڈال کر خدا کے حوالے کیا اور پختہ بیرج کے رہبان نے بیٹا بنا کر پرورش کی۔

راجہ پانڈو ایک دن شکار کو گئے تو ایک ہرن ہرنی کو عین جنسی فعل کے وقت مارا جس رشی کا ہرن تھا اس نے یہ دیکھ کر تو بھی عین لطف زندگی کے وقت جان دے گا۔ راجہ پانڈو کا جی راج پاٹ سے بھر گیا۔ وہ اپنی دونوں رانیوں کو

لے کر جنگل میں رہنے لگا۔ اولاد کی اُمنگ دن پردن بڑھی اور آخر میں یوں دیوتاؤں کو لد ولد دی کا داغ مٹانے کے لئے جانے۔

مہارانی کنٹی اور سری دھرم راج (یم دوت) راجہ جد ہشتر
کنٹی اور پون جی بھیم سین
کنٹی اور راجہ اندر ارجن
ماروی اور اسونی کمار نکل اور سہدیو

لیکن ایک دن پانڈو ماروی کے روپ سے بہت ہی متاثر ہو گئے اور موت کی پروا ابھی نہ کی تو سین لکھ کے وقت جان نکل گئی۔ ماروی نے سستی ہونا قبول کیا اور کئی پانڈوں کو لے کر ہستنا پور آ گئی۔
دریودھن شروع سے ہی حسد تھا اس لیے بھیم سین کو زہر دے دیا لیکن باسکی ناگ نے سارا زہر کھینچ لیا۔
بھیم سین بخیر و عافیت واپس لوٹا۔

درونا چاریہ کو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے مقرر کیا گیا اور جب دونوں لائق ہو گئے تو ایک دن دریودھن بھیم سین کو زہر دیا۔ اس نے بارہ باسک ناگ کی دختر ایل متی سے شادی کر لی۔

حسد نے رفتہ رفتہ یہ صورت پکڑی کہ اسٹھے رہنا ناممکن ہو گیا اور فیصلہ ہوا کہ برناوہ میں پانڈو رہیں اور ہمیں کورو۔ ادھر دریودھن نے سیکھ لڑائی اور ایک لاکھ سجد کا عمدہ مکان تعمیر کروایا۔ تدبیر یہ تھی کہ سوتے میں مکان کے بجائے۔ حسن اتفاق سے راجہ جد ہشتر کو علم ہو گیا اور جس رات مکان جلنا تھا اس رات وہ خاموشی سے اپنی ماں کنٹی جیسے برآ گئے اور ان کی جگہ پانچ فقیروں اور ان کی ماں بھسم ہو کر رہ گئے۔ اب دریودھن خوش ہوا۔

اب یہ پانچوں بھائی آوارہ پھرنے لگے۔ راہ میں بھیم سین پر بدھ راکشسی فریفتہ ہو گئی اور بھیم سین نے چارہ ساتھ گندھرب دواہ کر لیا۔ اس کیب طن سے گھٹوٹ کچ پیدا ہوا۔ ان ہی دنوں میں مہاراجہ دروپدی کی بہن دروپدی ہوا۔ شرط یہ تھی کہ ایک بھڑکتی چمکتی جواہرات کی مچھلی کو ایک تیل کے کڑا ہے میں دیکھ کر نشانہ لگایا جائے۔ چکرشن تھ تھا۔ مچھلی پر نظر نہ جستی تھی۔ سب راج ہار گئے۔ ارجن جو برہمنوں کے بھیس میں تھا، اٹھا اور شرط جیت لی۔

جب دروپدی کو لے کر کیا میں آئے تو ماں سے کہا کہ ایک ماں لائے ہیں بہت ہی عمدہ۔ ماں نے کہا۔ یہ بھائی ہانت لو۔ دروپدی پانچوں کی بیوی ہو گئی۔ پورا ایک سال ایک بھائی کے ساتھ رہتی تھی اور شرط تھی کہ اگر غلطی سے دوسرا بھائی خواب گاہ میں آ جائے تو اسے بارہ برس کا بن باس۔ ارجن ایک دن ایک برہمن کی رکشا کے لیے گیا۔ وغیرہ لینے اندر چلا گیا تو پھر اسے بارہ برس بن باس نصیب ہوا۔

راجہ دھرتراشٹر نے سلطنت کے حصے بخرے کر دیئے۔ ہستنا پور کوروں کو ملا اور اندر پرست پانڈوں کو۔ ارجن نے اپنے بارہ برس کے دوران میں باسک ناگ کی لڑکی الوپی سے گندھرب دواہ کیا۔ پھر جی را بجکاری چندا نگد اور اس کی بہن کو عقد میں لایا اور آخر میں کرشن جی کی بہن سوبھدرا سے شادی کی جس کے بعد انہمبہ پیدا ہوا۔

راجہ جد ہشتر کو سری کرشن نے صلاح کی کہ راج سو یہ یکہ کرو اس میں اس نے پانڈوؤں کو بھی مدعو کیا جو اس جگہ کی بہت سی بات کو دیکھ کر ایسے جلے کہ انتقام کا موقع ڈھونڈنے لگے۔ آخر جد ہشتر وغیرہ کو اپنے ہاں مدعو کیا اور جوئے میں شغلی ہوئے۔ یہ سب سے اس کا سب کچھ جیت لیا۔ حتیٰ کہ وہ پانچوں بھائی غلام اور روپدی کنیر ہو گئی۔ اس پر بھی دریودھن کا کلیجہ کھٹکتا تھا۔ اس نے روپدی کو سرور بار برہنہ کرنا چاہا لیکن جوں جوں وہ شاسن چادر کھینچتا تھا، ستر لمبا ہوتا جاتا حتیٰ کہ دربار کے لیے بھر گیا۔ پھر دریودھن نے راننگی کی اور روپدی کو دعوت دی کہ کوروؤں میں سے کسی کی رانی بن جائے۔ اس نے جھینم نے وعدہ کیا کہ وہ نرائی میں کرن کی جان لے گا اور دریودھن کی ران توڑے گا۔ جب رانی گاندھاری کو اس کے لیے حکم ہوا تو وہ دوڑی آئی اور دھڑا شتر کو شرمندہ کیا اور جد ہشتر کو راج پات دلایا۔

دریودھن کے دل میں دکھ تھا۔ اس نے دوبارہ جد ہشتر کے ساتھ جوا کھیلا اور اس بار شرط یہ رکھی کہ جو بارے اس کے لیے ہارے گا وہ پندرہ برس بن باس۔ اس کے بعد ایک سال ٹپت رہنا۔ اگر اس سال کے دوران میں دوسرا فریق پہچان لے تو وہ پندرہ برس بن باس۔ جد ہشتر ہار گیا اور یوں پانڈوؤں کا بن باس شروع ہوا۔ پانڈوؤں کے ہاتھ برہمنوں کا ایک لشکر اٹھ کر جھینم سورج نارائن کے بردان کے باعث جد ہشتر ان سب کی تواضع کرتا ہی رہا۔

ارجن نے بہت دن تپسیا کی تو ایک دن مہادیوجی بنفس نفیس آئے اور اسے آزمایا۔ دوران جنگ مہادیو کا جسم ارجن سے چھو گیا اور اس طرح ارجن میں یہ قوت پیدا ہو گئی کہ وہ اسی جسم سمیت بہشت جاسکتا تھا۔ دھرم راج اندر وغیرہ اس کے لیے گئے اور ہر قسم کا علم و فن سکھایا۔ جب شستر و دیا (علم جنگ و جدل) بہت سیکھ گیا تو اندر نے چتر سین کے پاس گیا کہ گندھرب و دیا (موسیقی) بھی سیکھ لو۔ اس طرح جب ارجن اسپراؤں کے ساتھ ناچ گانے کی مشق میں مشغول تھا تو اس پر عاشق ہو گئی لیکن ارجن نے ٹالا۔ اس پر ارجن کی خوشگلیس ہوئی اور بدو عادی کہ جا ایک سال بیچھا بن کر اپنے خیمہ کو گھر ہے۔ یہ سراپ اس وقت کام آیا جب ارجن کو کوروؤں سے چھپنے کے لیے راجا برات کے ہاں پناہ لینا پڑی۔

راجہ جد ہشتر نے اس دوران میں تمام تیر تھوں کی زیارت کی اور رشیوں سے اپنے اسلاف کی کہانیاں سنیں جن میں شتر دھتھی کی داستان آج کل زبان زد عام ہے۔

دل دہیتی

راجنل دہیتی پر عاشق تھا لیکن اس تک رسائی نہ تھی۔ ایک دن ایک ہنس قابو آ گیا۔ ہنس نے رہائی چاہی تو راجہ نے اسے ایک شرط پر۔ دہیتی سے جا کر میری محبت کا چرچا کرو۔ دہیتی نے جب راج ہنس کی زبانی راجہ کا احوال سنا تو ہزار ہنسنے لگے۔ دہیتی کے باپ ”بھیم سین“ (پانڈوؤں) نے سوئمبر کی ٹھہرائی۔ اس سوئمبر میں شریک ہونے کو اندر، دھرم، گن اور برن دیوتا بھی جا رہے تھے۔ راہ میں راجہ اندر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ راجنل ہمارا ایک پیام کے پاس لے جاؤ کہ ہم چاروں میں سے کسی کو شہر بنانا قبول کر لے۔

راجنل نے الوپ انجن لگایا اور دہیتی کے حضور پہنچا لیکن وہاں تو اور ہی گل کھلا۔ دہیتی الٹے راجنل جی پر سو جان سے ہونے لگی۔ دوسرے دن جب سوئمبر میں دہیتی نے بے مالا ڈالنے کی غرض سے راجنل کو ڈھونڈا تو پتہ لگا راجنل کی ستر کے چار اور بھی بیٹھے ہیں۔ شپٹائی اور دعا مانگنے لگی۔ آخر خیال آیا کہ ہونہ ہو یہ چار اگن، دھرم، اندر اور برن ہیں۔

سوچا تو دیوتا کی پہچان صاف نظر آئی نہ تو سایہ تھا نہ آنکھیں جھپکتی تھیں اور ان کے پاؤں تخت سے کچھ اونچے تھے۔ جب راجہ نکل کے گلے میں بے مالا ڈال دی۔ اس موقع پر دیوتاؤں نے نل کو بردان دیئے۔

1- تمہارے یک میں تمام دیوتا اصلی صورتوں میں رونق افروز ہوں گے۔

2- عمدہ طور پر نجات ہوگی۔

اگنی دیوتا بولے

1- جب یاد کرو گے آؤں گا۔

2- مرنے کے بعد اس ست روشن جگہ ہو گے جہاں میں ہوں۔

دھرم راج بولے

1- تمہارا سہ ہاتھ کی پکائی ہوئی چیز ذائقہ میں بے نظیر ہوگی۔

2- اور ہار عنایت کیا جس کی خوشبو کبھی نہیں جاسکتی۔

برن نے کہا

جب یاد کرو گے پانی مل جائے گا اور جس خالی برتن کو دیکھو گے بھرا ہوا پاؤ گے۔

کلجنگ جود مینتی کا خواباں تھا۔ وقت پر سوئمبر میں نہ پہنچا۔ اب عرصہ کے بعد اس نے انتقام کی سوچی اور راجہ کے بھائی پشکر کو جوئے پراکسایا۔ نل نے تخت و تاج ہار کر مینتی کے ساتھ جنگل کی راہ لی اور اپنے لڑکے، لڑکی کو اپنے پیٹ کے پاس کندن پور بھیج دیا۔

رائی نے بہت کہا کہ چلو میرے میسے چلو لیکن نل کو منظور نہ ہوا اور ایک رات جب اس نے موقع پایا تو مینتی کو آدھی چادر پھاڑ کر چلتا بنا۔ اب مینتی روتی چلاتی بھنکتی بھنکتی راجہ چند ہری کے ہاں پہنچی۔ راجہ نل جب جنگلوں میں گھبراہٹا تو کرکٹ ناگ آگ میں جل رہا تھا۔ راجہ نے اس کی جان بچائی لیکن اس نے موقع پاتے ہی کاٹ کھایا۔ جس سے راجہ کی ہیئت کڈائی ہی بدل گئی۔

اب ناگ بولا، یہ میری کینچلی لو، جب اصلی روپ میں آنا چاہو گے اسی کی بدولت آؤ گے۔ مینتی کو آخراپ نے ڈھونڈ نکالا اور پھر نل کی تلاش جاری ہوئی۔ راجہ نل راجہ رتو برن کا رتھ بان ہو گیا۔ رائی نے کچھ برہمن چارواگ بھیجے کہ چارواگ اشلوک ہر جگہ سنائیں جہاں سے ٹھیک جواب ملے وہیں نل ہوگا۔ رتو برن کے رتھ بان یعنی راجہ نل نے اشلوک پڑھے اور جواب دیئے۔ اب مینتی نے رتو برن کے پاس پیام بھجوایا کہ چونکہ راجہ نل لاپتہ ہے اس لیے دوبارہ سوئمبر چارہی ہوں۔ ایک دن میں پہنچوں۔

رتو برن اور نل رتھ پر روانہ ہوئے تو گھوڑے ہوا ہو گئے۔ راجہ میں راجہ رتو برن نے ایک چھتھنا درخت کے تنہ پتے اور پھل گن لیے۔ نل متعجب ہوا کہ اتنی تھوڑی دیر میں ایسا حساب۔ سو فیصلہ ہوا کہ نل راجہ کو رتھ بان سکھائے جس کے عوض راجہ رتو برن اُسے یہ فن سکھائے گا۔ جب دربار میں پہنچے تو رائی پہچان نہ سکی کہ نل کون ہے۔ سو اُس نے اپنی خواہش کھل کر نل کے پاس دو خالی مشکینز دے کر بھیجا۔ جونہی نل کی نظر پڑی وہ پانی سے بھر گئے۔ پھر نل کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاتے ہوئے

بغیر آگ کی چنگاری کے آگ جلائی تو دہشتی کو اعتبار آ گیا کہ ہونہ ہو یہی راجنل ہے۔
 نے اپنے بچوں کو مل کی خدمت میں بھیجا۔ راجہ انہیں دیکھ کر رونے لگا۔ سو تصدیق ہوئی کہ یہی مل ہے۔
 اس کے بعد پھر لشکر سے جوابازی کھیلی۔ اس بار چونکہ مل ایک بیڑے کے درخت کو ڈھانچا تھا۔
 میں رہتا تھا اور یوں مل کے تابع ہو گیا تھا) اس لیے لشکر کی کوئی پیش نہ گئی اور یوں راجنل نے پھر
 جیت لی۔

ایک دن جنگل میں درہ پدی تیغی تھی کہ ایک خوبصورت کنول کا پھول اس کے پاس آ کر رہا۔ اس نے بھیم سین
 کو اگرایا۔ یہی بچہ اور پھول میں تو کیا بات ہو۔ بھیم سین روانہ ہوا تو گندھ ماون پرست میں گزر ہوا۔ یہاں
 سے اسے پھول لینے سے روکا کیونکہ یہ باغ گندھریوں کا تھا اور وہ ہی پھولوں کے چار حقدار تھے۔ ہنومان اور
 لیکن بھیم سین اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا اور جب اسے علم ہوا کہ یہی ہنومان ہیں تو اسے استدعا کی کہ
 اسے بھی بتائے جائیں۔

ہنومان نے رمان کے واقعات سننے کے ضمن میں کہا کہ جگ مندر جڈیل ہیں:
 ہرم کی پوری عملداری کا زمانہ۔ وید ایک ہی تھے۔ شام۔ بھرا تھرو اور روگ ویدی تخصیص نہ تھی۔
 جگ سے کہ لیکن انسان راستی پسند اور عبادت سے غافل نہ تھے۔
 ہرم میں کی ایک وید کے بدلے چار وید بنے۔

جس میں اوہرم زوروں پر ہوگا۔

یوں جد ہشدر اور اس کے چاروں بھائی (ارجن بہشت میں تھا) بن باس کاٹ رہے تھے، ہری کشن بھگوان
 کے ان کے پاس آئے۔ درو پدی اور ست بھاماں میں پتی برتا عورتوں کے متعلق باتیں ہوئیں اور درو پدی
 کی فضیلت بیان کی۔ مارکنڈ ہے جی جو درو پدی سے بہت خوش تھے۔ انہوں نے راجہ جد ہشدر کو سیتاوان
 کی کہانی سنائی جس میں ایک پتی برتا عورت کا اتہاس ہے۔

”اموپت“ مدرویش کا راجہ وار تھا۔ اس نے گلہ کیا اور ساوتری سے اولاد کی خواہش کی۔ جب لڑکی پیدا ہوئی
 اس کا نام بھی ساوتری رکھا۔ جب بڑی تو اموپت نے اسے کئی اختیار دیا کہ جس کے ساتھ چاہے شادی کرے۔
 جب جنگل میں ساوتری کی پاکی جا رہی تھی۔ سیتاوان نظر پڑا۔ اس کا باپ اندھا تھا اور راج پات کھو کر جنگل میں
 رہتی تھی۔ جب اس کے ساتھ شادی کی تمنا کی۔ ناروجی نے کہا کہ لڑکا تو اچھا ہے لیکن عمر فقط ایک سال باقی
 رہی ہے۔ جب اس نے پھر اسی سے شادی کی۔ جب ایک سال گزرا تو ایک دن سیتاوان کلہاڑ لے کر پھول نیل اور کڑیاں لینے
 ساوتری بھی ساتھ ہوئی۔ کچھ دیر بعد سیتاوان اس کے زانو پر سر دھر کر سویا تو سوتا ہی رہ گیا۔ نگاہ اٹھائی تو سامنے
 کے قالب کو انگوٹھے بھر کا بنا کر جانے والا تھا۔

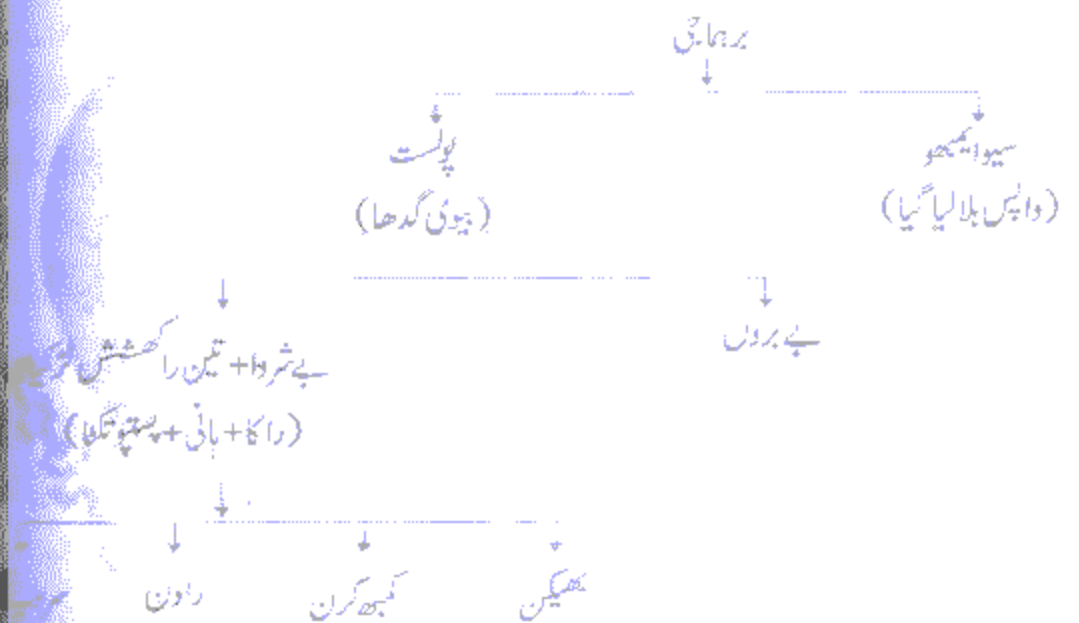
ساوتری میراج کے ساتھ ہوئی۔ میراج نے کہا کہ تو چونکہ پتی برتا عورت ہے سو مانگ کیا مانگتی ہے۔ فقط
 نہ مانگنا۔ ساوتری نے کہا تو سسر کی آنکھیں دے دیجیے اور اقبال کے آفتاب کو گہن سے نکال کر

چکائیے۔ استدعا قبول ہوئی مگر اب بھی ساوتری پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ میراج نے دیکھا تو پھر بردان دیا۔ سوسا بھو۔
سُسر کو راج پاٹ دلوائیے اور دھرما تمانائیے۔

یہ بھی بات میراج نے مان لی لیکن اب بھی ساوتری ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور دھرم کی باتیں کیے جاتے۔
میراج نے کہا، اب کیا چاہیے؟ کہنے لگی کہ میرے بھائی نہیں ہے، ایسا بردان دیجیے کہ ماں کے سو بٹے ہوں۔ یہ سچ
منظور ہوئی لیکن پھر جب میراج نے مڑ کر دیکھا تو ساوتری ساتھ بولے، مانگ کیا مانگتی ہے؟ ساوتری نے کہا کہ
ہے سوطا تو، دھرم واں اور سعادت مند لڑکوں کی ماں بنائیے میراج نے کہا، مانا۔ اب ساوتری نے کہا، مہاراج
سیانے ہیں، جب ستیا واں ہی آپ کے ساتھ ہے تو میں ماں کیسے بنوں گی۔ سوستیہ واں کی روٹ واپس کی گئی اور
خوشی رہنے لگے۔

رام سیٹا کا ذکر مارکنڈے جی کی زبانی

جب رام چندر وغیرہ بن میں تھے تو راوَن ایک دن سیٹا جی کو اڑا لے جانے بن میں آیا۔ راوَن مہاراج
دنیا کے تمام شہزادوں کا سر تاج تھا۔



برہما جی نے جہاں تمام خلقت بنائی وہاں دوفرزند بھی پیدا کیے۔ پولست رشی اور سیوا بھو۔ پولست کی بیوی
گو تھا تھا۔ اس کے بطن سے بے برون کی پیدائش ہوئی لیکن اسے بچپن سے ہی برہما جی نے سنبھال لیا۔ اب بے برون
پیدائش ہوئی۔ اس نے ایسی چپ تپ کی کہ کوہیر جی نے سوچا جانے یہ عبادت کیا رنگ لائے۔ رکششوں کی تیس
جیل لڑکیاں اس کے پاس بھیج دیں۔ (راکا۔ ہانی۔ پستو تگلا) وغیرہ نے ان چار بچوں کو جنم دیا۔ بھیکسن (دھرم) تھا
راوَن۔ کبھ کرن (مہیب صورت) اور ہروپ نکھا (دھرما تمانا لوگوں کی دشمن)

راوَن نے ایسی تپیا کی کہ برہما جی اور مہادیو جی آئے اور کہا، دائمی زندگی کے علاوہ جو مانگنا ہے مانگو۔
دس مرتبہ سر کاٹ کاٹ کر چڑھایا تو بردان منظور ملا۔ جب چاہو گے دس سر ہو جائیں گے اور پھر لطف یہ کہ خوبصورت

تو دوسرا بردان یہ دیا کہ سوائے انسان، ریچھ اور بندروں کے کوئی تمہیں مار نہ سکے گا۔ جب راوَن کو یہ بردان مل گیا تو اس نے زور ہوا کہ دیتا بھی اس سے پناہ مانگنے لگے۔ اب انہیں فکر ہوئی کہ آخر راوَن سے کیونکر نجات ملے۔ صلاح دے کہ تم سب ریچھوں اور ریچھ بن کر دھرتی پر چلیں۔

یہ سنی جی کے سوئمیر میں رام چندر نے رشوکا، دھنش توڑ اور ستیا جی کو بیاہ لائے۔ جب راجہ دشرتھ بوڑھا ہوا تو رام کو راج دے کر جپ تپ میں لگے لیکن ملنھرا خواص نے ایسی لگائی بھائی کی کہ رانی کیکئی نے اپنے وہ سابقہ دشمن دشرتھ کو منا کر چھوڑے۔ ادا یہ کہ بھرت کو راج گدی ملے اور دھرم رام کو چودہ برس بن باس۔

راجہ دشرتھ تو رام کے بن جاتے ہی جاں بحق ہوئے۔ ادھر بھرت اور شتر گھن ناہنل سے واپس آئے تو رنگ ہی رنگ نہ رہا۔ رام اور سیتا بن باس کو جا چکے تھے اور بھرت راجا تھا بھرت نے رام کا پیچھا کیا۔ جتر کوٹ کے مقام پر بھرت نے لوٹ جانے پر اصرار کیا۔ رام نے باپ کے وعدے کا پاس کیا۔ آخر بھرت رام چندر کی کھڑاویں لے کر چودہ برس راج کرتا رہا۔

جن دنوں رام چندر جی پنج وٹی میں مقیم تھے، اُن دنوں اس علاقے پر کھروکھن کا راج تھا۔ سروپ نکھا اپنے بھائی کھروکھن کے بن میں آئی۔ پہلے رام کو لکھیا پھر کشمن کے سر ہوئی۔ اس نے غصے میں آ کر ننگ کاٹ دی۔ کھروکھن کے چوتھی گئی۔ سب راکھشش لڑنے آئے لیکن مارے گئے۔ اب سروپ نکھا راوَن کے پاس گئی اور اسے غیرت سے کہنے لگی کہ تم نے کھروکھن کو مار دیا ہے۔ کو بیچ وٹی بھیجا۔ چھلاوے پر چھلا دے کھائے۔ رام چندر سیتا جی کی بھرتی کو نکلے۔ تھوڑی دیر کے بعد آواز آئی، دوڑو کشمن رام کی جان پر مبنی ہے۔

کشمین گویستا کو تنہا چھوڑ کر جاننا نہ چاہتا تھا لیکن سیتا جی بضد ہوئیں کہ رام کی کنبہ کو پہنچو۔ چلتے چلتے پھمن سیتا جی کو ملے۔ میں بٹھا گیا۔ راوَن آیا تو سیتا جی نے کندی کے اندر سے پھل پھول پیش کیے لیکن راوَن جو برہمن کے بھیس میں تھا کہ کشتا باہر نکل کر دی جائے۔

جب سیتا جی باہر نکلیں تو لے اڑا۔ راستے میں گدھ جٹایو نے روکا لیکن راوَن سے پیش نہ گئی۔ سیتا جی راستے میں چلتی جاتی تھیں تاکہ رام چندر کو ڈھونڈنے میں سہولت ہو۔ لڑکا پہنچ کر سیتا جی کو اشوک بانکا میں رکھ کر راکھششوں کا حکم دیا۔ جب رام کشمن ڈھونڈتے ہوئے نکلے تو گدھ جٹایو نے تمام کیفیت بیان کی اور جاں بحق ہو گیا۔ پھر راوَن نے کہا کہ اس نے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ کچھ دور پیٹا سر تالاب کے پاس سگریو اور ہنومان جی ملیں گے۔ وہ جگہ سے واقف ہیں۔

سگریو (بندروں کا بادشاہ) اپنے بھائی ہالی کے خوف سے روپوش تھا۔ جب رام چندر جی کو آتے دیکھا، سمجھا کہ یہ ہے میں۔ ہنومان جی کو بھیجا کہ حال معلوم کریں۔ وہ برہمن کا روپ دھار کر پہنچا۔ پتہ لیا تو رام چندر جی تھے۔ سیتا نے فرمایا کہ چلیے سگریو کے پاس چلیے۔ ہالی بڑا بھائی ہے سگریو چھوٹا۔ اس نے چھوٹے بھائی کو مار بھگایا ہے۔ رام نے سیتا سے کہا کہ ہالی کو شکست ہوئی اور سگریو پھر بادشاہ بنا۔

اب بندر چارواں گج جاگتی جی کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ آخر مہابیر جی لنکا میں پہنچے۔ بھٹکن جو رام کی بیوی تھا، اس سے (سیتا) جاگتی جی کا سراغ ملا۔ رام چندر کی انگوٹھی ان کو دی اور ڈھارس بندھائی۔ پہریداروں کو خبر ہوئی تو کمر اوران کے پاس لے گئے۔ راوان نے حکم دیا کہ دم میں آگ لگا کر بھسم کر دو۔ مہابیر جی نے لنکن میں آگ بجھانے کا شک بائیکا اور بھٹکن کا گھر سلامت رہا۔

جب رام بھٹکن پل باندھ کر لنکا میں اترے اور پالا ان کے ساتھ پڑا تو آکاش سے برہما جی، باقی جی، دشرتھ وغیرہ اترے اور جاگتی جی کی پاکدامنی کی تصدیق کی۔ بھٹکن کو نیکاراج دیا۔ بھرت نے استقبال کیا اور رام سے گیارہ ہزار برس حکومت کی اور ان کے بطن سے دو فرزند نو اور کش پیدا ہوئے۔

جب بارہ سال مکمل ہو گئے اور پست رہنے کا وقت آیا تو پانچوں بھائی مندرجہ ذیل کاموں پر راجہ براث کے مع دور پردہ کے نوکر ہو گئے اور نام بدل لیے۔

راجہ جدھشڑ:	تمار بازی	(کنک نام)
بھیم سین:	رسویا	(بلو)
ارجن:	نیجرا ناچ گانا پر مقرر	(ہرنبھد)
نکل:	اصطبل کا مالک	(گرشٹک)
سہد یو:	گوشالہ میں گایوں کی دیکھ بھال	(اوشٹ یی)
درو پدی:	سودیشنا رانی کی مشاطہ	(سرر ہری)

ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ سودیشنا کا بھائی کچک درو پدی پر فریفتہ ہو گیا۔ لاکھ درو پدی نے سمجھایا کہ اسے سناں کہہ کر پانچ گندھرب میرے محافظ ہیں لیکن وہ باز نہ آیا۔ بھیم سین سے مشورہ کیا کہ اسی دن میں جہاں سے ہے رات کے وقت کچک کو درو پدی بلائے اور بھیم سین اسے قتل کر دے۔ یوں ہی کیا گیا۔ محل میں کہرام مچ گیا۔ بھائیوں نے صلاح کی کہ درو پدی کو زندہ جلا دینا چاہیے لیکن عین موقع پر بھیم سین کے روپ میں آیا اور سب کو بھگوان کو بچا لایا۔

جب کچک کے مرنے کی خبر پھیلی تو دریودھن خوب خوش ہوا اور اسے خیال ہوا کہ اب راجہ براث کا ماند ہے۔ حملہ کر دیا لیکن ارجن نے تھ بانی کی اور وہ وہ جو ہر دکھائے کہ دریودھن کا سارا لشکر کا کام پلٹا۔

اب تیرہ سال پورے ہوئے تو جدھشڑ وغیرہ نے اپنی اصلیت راجہ براث پر ظاہر کی۔ اس نے ارجن سے لڑکی اوترا سے شادی کرنا چاہی۔ ارجن نے اپنے لڑکے اھنمو سے اس کا وواہ کر دیا۔ اب راجہ براث نے دریودھن سے پاس اوھے راج کے سفارت بھیجی لیکن وہاں تو دریودھن بھرا بیٹھا تھا۔ نکا سا جواب دے دیا۔ راجہ دھرت راجہ بھرت کے دونوں جانب گھومتا پھرتا تھا لیکن صلح کی سبیل نہ بنتی تھی۔ انخواف سے راج گھر کے راجہ براث اور راجہ دریودھن کے درمیان رہے تھے اور لڑائی کی ٹھن رہی تھی۔

اس سلسلے میں دریودھن اور ارجن دوا کا پہنچے۔ اس وقت مہاراج کرشن جی سور ہے تھے۔ ارجن پچھلے

میں نے بیٹھ گیا۔ جب آنکھ کھلی تو ارجن سے پہلے پوچھا کہ کیوں آئے۔ اس نے کہا کہ میدان جنگ میں آپ کی
 مدد کرنی ہوں۔ پھر در یودھن سے سوال ہوا۔ اس نے کہا، آپ کی مدد کا میں بھی خواہاں ہوں، جواب ملا..... ارجن
 تھک رہوں گا اور در یودھن کے ساتھ میری فوج اور خزانہ لیکن میں ہتھیار کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

در یودھن کو سب نے سمجھایا لیکن وہ غصے کا بھوت تھا۔ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں فوج لے کر وکشیتر کے میدان
 پہنچے۔ ادھر پانڈو بھی پہنچے اور جنگ شروع ہوئی جس میں راون کو شکست اور پانڈوؤں کو فتح نصیب ہوئی۔
 یہ جنگ مشکل محاورے، الفاظ بھی خات جی نے اپنی رہنمائی کے لیے لکھتے ہیں)

مولفہ: افق

اونٹ کی چوری نہوڑے نہوڑے ہو گئی: چوری چھپے بڑی بات کا طے پانا (مہابھارت)

چنے کا چبانا اور شہنائی کا بجانا ممکن نہیں: کام کا آسان نہ ہونا

دھجائیں: جھنڈا کشان پتا کاٹیں: جھنڈا

چڑی مار کا ٹولا بھانت بھانت کا پیچھی بولا اپنی اپنی بات

بھوت منڈی: چوہا بیاں ہونا: پور بھی زور آور ہونا

نکھوری: تنکلیا: پاس ایک جھنجھنی نہ رہنا

ایک ایک پوسلے میں کام تمام: ایک ہی وار میں ترکی تمام

ٹوکنی: اوکھیاں سنانا

ہواؤ بڑھنا: حوصلہ دینا

آنکھوں پر ٹھیکری رکھنا: شرح بانی طاق

چھو کا را: گھوڑے ہانکنا

اشو بدیا: اسپ دانی

استی: ستائش

پرائے پیچھے پیچھے گر چڑھ بیٹھنا: ہرایا مال ہتھیانا

غرے ڈبے: دھمکیاں

سنگلپ: ارادہ، خیال

شکار: ٹھوک بجا کر

ول اوچھا کرنا: دل گھٹانا

بردی مار مارنا: بہت مارنا

اکشونی: لاکھوں

چھتھنارے: خوب پتوں والا

اوبے منڈے انج جوان ہوئے جیویں دودھ تے ملائی آؤندی اے کھٹو کھٹ لٹھاں کھلو گئیاں۔

ما تھا

متھ:

عنایات کیس

چھین نکلے بھنادیے:

مینڈک کو بھی زکام

خوب رنگ لائی گلہری:

مل کر کام کرنا ہے عزتی کا باعث

ساجھے کی ہانڈی چورا ہے پہ پھوٹی:

جیسے بخرے

سرت بھرتا کرنا:

خوف

کھینچے میں تھر تھری پڑ گئی:

بِراض

چرانڈے ہوئے:

فوجیں آ راستہ ہوئیں

بندیاں بندھ گئیں:

پکی بات

کبھی بدی بات:

بہت مینہ برسا

وہ دو گزابر سا وہ جھڑی لگی:

علم موسیقی

گندھرب:

تھقہم گتھا

گتھا ڈہور ہا ہے:

سواری

باتیں:

پیسہ گرہ میں باندھو

دوست ڈب میں کرو:

طلاق

حلقہ نجلی:

ہوا

ہوان:

کچھ نہ بچا

ایک بھٹکا بھی نہ بچا:

آسان کام

سہل سا لٹکا:

چار کوس

جو جن:

جپ تپ

سمرن:

جپ تپ

سمرن:

ان تحریروں کا مقصد یہ ہے کہ خاں صاحب انتہائی سوچ بچار کے بعد، گہرے مطالعہ سے استفادہ کر کے نتیجے پر پہنچے تھے کہ ہندو اپنی اتہاس کا حصہ ہے۔ یہاں دیوتا زمین پر آ کر شادیاں کرتے ہیں۔ راکھشش ان کی نوکریاں درپے ہیں۔ اُن کے دھرماتما لوگ گندھرب شادی کر کے اولاد کے مالک بن جاتے ہیں اور پھر اپنی ہوس مٹانے کے لیے اولاد کی پروا نہیں کرتے اور اپنے جپ تپ میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

اس ہسٹری میں ایٹائے وعدہ، استقامت اور حدود کی پہچان کم ہے۔ اسی لیے خاں صاحب ہندو کی طرف سے بہت Disillusion ہوئے لیکن اس سے بھی زیادہ کوفت انہیں پاکستان میں ساٹھ سال گزار کر شیش

تھے۔ سب سے پہلے چلا کہ مسلمان بھی اونچ نیچ کا شکار ہیں۔ سید، پنہان، جاٹ اور دیگر ذاتیں مٹھی بند مقبض ہیں اور کسی طرح ان کے سر غم ہونے کو تیار نہیں۔ جس اخوت، بھائی چارے، مساوات کا خواب وہ دیکھ رہے تھے، اس کو بہت دھچکا لگا۔ یہ غالباً انسان کی تقدیر ہے کہ وہ آدرشوں کو ہمیشہ کے لیے اپنا نہیں سکتا۔ اپنی نیت کے ہاتھوں خوار ہوتا ہے۔

سختی سرحدوں میں آر پار جانے پر مجبور ہے۔

ظاہر ہے پچھلے ساٹھ سال سے صورتحال ہولے ہولے بدل رہی ہے۔ ملی کانرم و نازک بچہ آنکھیں کھول کر دیکھ رہا ہے۔ اختر شیرانی کی سلسلی پر نظمیں ایک عرصہ سے اب طاق پر جا کر علمی ادبی سطح پر خاص کر انگریزی سے خوش ہونے لگی ہیں۔ ”مد و جذرا سلام“ کے حالی، حفیظ جالندھری، علامہ اقبال، ظفر علی خاں اور دوسرے حساس لوگوں نے نظمیں لکھ کر اظہار خیال کیا تھا اور وہ جانتے تھے کہ اصلی ہمت کوئی ہے۔

لیکن ہولے ہولے ادیب کی نظروں سے تعمیر ملک کی منزل بھی دھندلا رہی تھی۔ کشمیر میں ابو کی ندیاں بہہ نکلیں۔ کوئی قابل ذکر کہانی لکھی نہیں جاسکتی۔ مشرقی پاکستان عہدہ ہو کر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ بڑے ادیب افسردہ تھے۔ ان کے دل میں شکاف نہ پڑتا۔ یہ مت سمجھیے کہ میں اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھ رہی ہوں بلکہ صرف یہ بات کہ ان کی کوشش کر رہی ہوں کہ ہم لکھنے والوں نے اپنے لوگوں کے شعور کی تہذیب کرنے میں کیوں خاص مدد نہیں کی۔

ہمارے عہد کے ادیب ان پڑھ بیچ گیوں کو تو سمجھتے ہیں جن میں محبوبہ کے نقش پالتے ہیں لیکن ہم نے اس ایک سب سے بڑی تمام محبتیں قربان کر دی تھیں۔ وطن پر نظمیں لکھنے والا دوم درجہ کا شاعر کہلاتا ہے۔ ماں، بھائی، دوست پر نظم لکھنے والا تیسرا درجہ کا شاعر نہیں بن سکتا جتنا رومانی شاعر۔ ہم اختر شیرانی کی نظموں کو تو پھر یاد رکھتے ہیں حالی، حفیظ، اقبال اور ظفر علی خاں کے ہولے ہولے جا رہے ہیں۔

ہندو مسلک کو سمجھ کر اب ایک بار پھر خاں صاحب سوچ رہے تھے کہ اب جو افتاد مسلمانوں پر پڑی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس میں ہمارا سب کچھ بہہ جائے اور وہ محبوبہ بھی نمک کی پتلی سمندر کی اتھاہ لگانے نکل جائے اور کہنے کو کچھ باقی نہ رہے گی۔ انہوں نے اپنی تحریر میں نئی سمت تلاش کی۔

پاکستان اور صرف پاکستان کی بقا کا خواب!

بیسویں صدی کی آخری دہائی مسلمانوں کے لیے بڑی اہم، فیصلہ کن اور تحیر آمیز ثابت ہوئی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ دنیا میں صرف وہ خطے انتشار کا شکار ہیں جہاں ابھی اسلام میں دم خم ہے۔

افغانستان میں کیسی ہندیا پک رہی تھی۔

ایران اور عراق کس طاقت کے ہتھے چڑھ کر آپس میں گتھم گتھا ہونے والے تھے۔

کشمیر میں آزادی کی کیا کچھ قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔

روس کی اسلامی ریاستوں پر کیا کچھ ہو گزرا؟

ہندوستان میں جہاں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے وہاں وقتاً فوقتاً بظاہر ایک سیکولر سٹیٹ میں کیسے کیسے فسادات

ہوتے ہیں؟ بابری مسجد شہید کرنے کے لیے پانچ لاکھ ہندو مختلف مقامات سے کیوں اکٹھے ہوتے ہیں؟

سعودی عرب کی حفاظت کے بہانے تیسری عالمی جنگ کے لیے عین وہی دھرتی کیوں چنی جا رہی ہے مسلمانوں کے لیے دنیا میں اہم ترین جگہ ہے۔

یہ اور ایسے ہی بہت سے اور سوالات وقت سے بہت پہلے خاں صاحب کے ذہن میں جاگ اٹھے تھے۔ لوگ ان سارے مقامات پر صورتحال کو اقتصادی مسئلہ سمجھتے، کچھ ذہین لوگوں کا خیال ہے کہ جب کوئی چیز ایجاد ہو جاتی ہے پھر اُس کے استعمال کی وجہ بھی خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ ترقی یافتہ ممالک میں ہتھیاروں کی پروڈکشن اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اب ان کا اپنے اندر ستریل ملکوں میں ذخیرہ اندوز رہنا خطرے سے خالی نہیں۔ اسی لیے وہ اپنی فلاحی سے دوران ہتھیاروں کو رکھنا، استعمال کرنا اور نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔

ہتھیاروں کو نیست کرنے کے لیے وہ چاہے سمندر اور ریگستانوں کا رخ کریں لیکن اپنے پروڈکٹ کے استعمال کے لیے انہیں بری بستیوں درکار ہوں گی جہاں سیاہ اور براؤن جانداروں کو کھینچوں کی طرح، رکران کا خمیسا ملا مت نہ کرے۔

کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ: سبکی ملکیتیں اپنے اندرونی انتشاروں کی وجہ سے غیر کے ہتھے چڑھ رہی ہیں۔ مسلمانوں کا مسلمان سے اس درجہ نفاق ہے کہ بھائی بھائی ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور مردہ گوشت کھانے سے انہیں نہیں کرتے۔ ایسے میں جب اندرونی خفشار نے ملکوں میں بد امنی پھیلا رکھی ہے، راج گدھ ہر طرف منڈلاتے نظر آتے ہیں۔

ہم ادیب لوگ ہیں۔ چاندنی، گیت اور ساز سے محبت کرنا ہمارے خمیر میں ہے۔ ادیب لوگ دراصل جذبات، احساس طبیعت اور اندر بہنے والی برسات کے سہارے زندگی بسر کرتے ہیں اور خاص طور پر برصغیر کا شاعر۔ سماج ہی کی بنے انصافیوں سے چھپتا پھرتا ہے اور اس کے نزدیک آفت ارضی و سماوی میں سب سے بڑا جان لیوا گمراہی جاناں ہے لیکن یہ خاں صاحب کا شرف سمجھئے، ان کی بصیرت جانیے، وہ پاکستان پر وارد ہونے والی بلاؤں سے ہی بچنے کے لیے تھے تاکہ تمام عالم اسلام پر چھائے اندھیرے بادلوں کو بھانپ سکتے تھے۔ انہوں نے ذاتی مسلکوں کو طاق پر رکھ دیا تھا۔ سنا ہے کہ وہ انسان جسے ایک محبت بھی مل جائے زندگی کی لہروں پر اپنی ناؤ کھینچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ کروڑھ، لویہ اسے ڈمگ ڈمگ کرتے رہیں۔ ڈیونے کی کوشش کریں لیکن محبت کا چوڑو بے نہیں دیتا۔ زندگی پایاب ہو تو کشتی سے اتر کر وہ اسے دھکیلتا چلا جاتا ہے۔ پانی اتھاہ ہو تو وہی بے لوث محبت سمست قائم رکھتی ہے اور لاکھ آئیں کشتی کنارے لگ ہی جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ خاں صاحب کو پاکستان سے کچھ ایسی ہی بے لوث محبت ملی کہ پھر سفر نہ بے سمت رہا نہ ڈمگایا۔ انہیں کسی اور راستے کی تلاش بھی نہ رہی۔

خاں صاحب کے پیتل کو چمکانے والی ایک ماں سردار بیگم کی شخصیت تھی۔ دوسرے وہ داؤ جی تھے جنہیں خاں صاحب کی تربیت کی۔ تیسرے یہ وطن کی ان سے محبت تھی یا ان کی وطن سے رغبت جس کے باعث ان میں کیمپ میں رفیوجی لوگوں کے درمیان کام کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ وہ صبح سویرے اپنے ساتھ کھانے کی پوٹلی باندھ کر چلتے والٹن پہنچتے اور پھر سارا دن مہاجروں کے مسائل سلجھاتے۔

ممتاز مفتی کے ہمراہ کام کرتے پھر پیدل گھر پہنچتے۔ شاید اسی پیدل سفر کے دوران ان پر کھلا ہو کہ انسان دراصل
 قبول روحانی گراوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ مہاجر بڑے شوق سے لاتعداد قربانیاں دے کر اس وطن پر نثار میناں
 تھے لیکن یہاں پہنچ کر اسی دل نے دیگر خواہشات کو جنم دینا شروع کر دیا۔

اب سبھی کو چھوڑی ہوئی پر اپنی درکار تھی۔ مال و دولت کی خواہش تھی۔ رجبہ، عزت اپنی تعریف سننے کی چاہ نے
 ہو کر نکلا کر دیا تھا۔ ہم پر جو احسان قائد اعظم نے کیا، وہ بھولنے لگا۔ انسان بھی عجب ہے کہ جو شخص آپ پر احسان کرتا
 ہے، اسے بھول کر دیتا ہے۔ یہی روحانی گراوٹ دیکھ کر اشفاق احمد نے اپنا راستہ بدل لیا۔ ان کے افسانوں میں عجب قسم کی
 نے لگی اور وہ جب گورنمنٹ کالج میں ایم اے اردو کرنے کے لیے پہنچے تو وہ ”ایک محبت سو افسانے“ کے لکھاری
 تھے بلکہ ان کے اندر وہ دھندلی شاہراہ بھی تھیں اندر نظر آنے لگی تھی جس کے سنگ میل ابھی واضح نہ تھے۔

یہ دور پاکستان میں نووارد لوگوں کی Insecurity کا تھا۔ مسکوں اور آدرشوں کی خاطر قربانیاں دینا بڑا مشکل
 ہے۔ پاکستان ایک آدرشی ملک تھا۔ اس کے آدرش دنیاوی حصول سے وابستہ نہ تھے بلکہ روح کی افزائش کی تلاش میں
 تھے۔ مگر رفتہ رفتہ مہاجر لوگ اپنے مسائل کا حل دنیاوی حصول میں تلاش کرنے کے لیے رنگ رنگ کے جرم کرنے لگے۔
 محبت منوانے کی خاطر ہر طرح کی شیخیاں ماری گئیں۔ اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کے لیے نسل، رنگ، زبان نہ
 مکن باتوں کا سہارا لیا گیا۔

گھروں کے تالے توڑے گئے۔ مال غنیمت ہاتھ آیا تو الاٹ منٹ کے چکروں میں لوگ نیزھے ہو گئے۔ یہی
 دور تھا جب قائد اعظم کا آدرش دھندلا گیا۔ ذاتی اقدار مار کھ گئیں اور لوگ مادہ پرست ہو کر بھانت بھانت کی
 چیزیں کرنے لگے۔

تمام مسکوں سے گزر کر ”کام کام کام“ کی حدت سے بھی نکل کر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کبھی کبھی کام بھی سمت
 میں رکھ سکتا۔ کام کی سمت اگر مثبت نہ ہو تو نفع کے بجائے نقصان پہنچ جانے کا احتمال ہے۔ انہوں نے خلق کے ساتھ
 جمل بڑھانے کے لیے ان کے دکھ درد میں شریک ہو کر یہ نتیجہ نکالا کہ پاکستان کے غریب عوام کا بالخصوص اور مسلم امہ کا
 عزت نفس کا ہے۔ ضیاء الحق کا زمانہ تھا۔ انہیں کسی تقریب کے سلسلے میں اسلام آباد جانا ہوا۔ وہاں با اثر لوگوں کی
 میں پہلی بار خاں صاحب نے عزت نفس کا جھنڈا بلند کیا۔ انہوں نے وثوق سے کہا کہ ہماری ضرورت ہرگز ”روٹی
 نہ مکان“ نہیں ہے۔ یہ چیزیں ہمیں ہندوستان میں بھی جیسی کیسی میسر تھیں لیکن اقلیت ہونے کے ناطے ہماری عزت
 یہ جھجھک رہی ہوتی تھی۔ اسی لیے یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔

خاں صاحب نے شعوری اور لاشعوری طور پر پاکستان کے لیے اس وقت جدوجہد شروع کی جب قائد اعظم
 کے بغیر جیل میں قید ہونے کی بجائے انگریزوں کو آئین کی پابندی میں گھیر کر پاکستان کا مطالبہ کر رہے تھے۔

یہ جدوجہد شروع سے آخر تک خاں صاحب کا بنیادی مسلک رہی اور بالآخر ”عزت نفس“ کے مطالبے میں بدل
 جی جھنڈا انہوں نے اپنے بیٹوں جیسے عمران خاں کو دے دیا۔ اسی جھنڈے کی سر بلندی کے لیے آج بھی عمران سرتوڑ
 کر رہا ہے اور آج 2007ء میں جب تمام جماعتیں اپنے مفاد کے لیے لڑ رہی ہیں اور بظاہر اسے خلق کی خدمت کا

نعرہ عطا کر رہی ہیں، عمران خاں اپنی نامزدگی کے کاغذات پھاڑ کر دعویٰ کر رہے ہیں۔

خاں صاحب کے کچھ کاغذات ایسے ملے ہیں جو ان کی خلق کی طرف مراجعت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ صاحب کی تحریر کے اقتباس (

1- 28000 روپے واپس کرنے والا تانگہ بان اور اس کی خبر اخبار میں لگانے کا قصہ۔

2- زندہ دل زندگی سے بھرپور سلطان میر پور ماسٹر کا بیٹا اور میر منٹو کا دوست اور بمبئی جا کر داد عیش دینے والا ناولٹ۔

3- ریاض پاڈا جو پہلے ہجڑوں کے ساتھ ملا۔ پھر دوائیاں اور طلا بیچنے لگا۔ آخر میں تقریریں کر کے اسمبلی کا ممبر بن گیا۔

4- اصولوں کا ٹوٹنا اور قدروں کا فقدان اس کی وجہ۔ ٹیکنالوجی اور مذہب۔

5- کلچر کیا ہے اور اس کو کس طرح سے دوسرے کلچر سے الگ مانا جاتا ہے۔

6- سلیم بونگا اینم کے بارے میں تھیوری پیش کرتا ہے۔

7- Olga کے نام Verek کے خطوط۔ اسی طرح Malina کے نام کا فکا کے خطوط!

8- ملاصفت اللہ کی لڑکی اور اس کی کالج کی زندگی۔ اپنی پہلی شازیرہ کے ساتھ دوستی۔ اس کے کزن سے محبت۔ کزن کے والدین کو یہ خبر ہونے پر کہ وہ ایک مٹا کی لڑکی ہے اس کا مشتعل ہو کر باپ کو خفیہ طور پر قتل کر دینا۔ شازیرہ سلیم بونگا کی کزن ہے۔

9- مٹا لوگوں سے سلیم بونگے کا انٹرویو۔ کمال اتاترک کی تعریف و توصیف کہ اس نے مٹاؤں کا قلع قمع کیا۔ سیاسی مٹا میں فرق (کیا سارے مٹا مل کر اسلام کا ضابطہ حیات چھپوا کر دے سکتے ہیں۔)

10- سیکولر اور مذہبی میں فرق۔ سیکولر قوم اور سیکولر حکومت میں فرق۔ قوم ہمیشہ Tolerant ہوگی لیکن حکومت ہمیشہ ہوگی۔

11- پٹرول پمپ کے پاس خوشی محمد کے گیراج میں شیطان سے ملاقات۔

12- دو تانے کی صوباں جس سے برکی نے شادی کی اور وہ دیہاتی لڑکی بیجم کے ایلوٹیم سٹور کی مالک بنی۔

13- بابا احسن کا قصہ جو شرافت نوشاہی صاحب نے سنایا۔

14- ایک ڈرامہ جو سلیم بونگے نے T.V. کے لیے لکھا اور جو reject ہو گیا۔

جائیداد کا ذکر: سمندر اور دریا کا بیٹا۔ منہ جوالا کبھی پر ہے اور پاؤں ملتان میں دفن ہیں۔

بھوئے چند: Founder of Kangra

جنم پتری: Vansavali

(نسب نامہ) طاقتور راجپوتانہ کے خاندان سے پرانے راجپوت ہیں اور کٹوچ راجپوت سب سے پرانے ہیں۔

سکندر بیاس کنارے رکا تو Ptolemy نے جالندھر کے ملک کا ذکر کیا لیکن سنسکرت کے ادب میں اس کا سراغ
بہت قریبی گارتا کا ذکر موجود ہے اور راجہ سسار من کا ذکر بھی ملتا ہے جس نے کانگڑے کا قلعہ تعمیر کیا۔

ہیون تسانگ نے جس جالندھر کا ذکر کیا ہے اور جو اس کا علاقہ بیان کیا ہے۔ اس اعتبار سے چمبہ کی ریاست
سویت اور ساتارد کی ریاستیں جالندھر کی ریاست میں شامل ہیں۔

سورکرافٹ جب 1820ء میں نداؤں کے علاقے میں آیا تو اس نے لکھا کہ کانگڑے کی ریاست میں تین
کٹوچ چھنگار

کانگڑہ کان کی شکل سا

نگر کوٹ یا کوٹ کانگڑہ بھی دارالخلافہ کے نام ہیں۔

نگر کوٹ میں درگاہ کا مندر۔ یہ مورتی مرد کی لگتی ہے۔ سب اسے ماتا کہتے ہیں۔ مندر کی چھت اور فرش چاندی
کا بنا ہے۔ اسے ابو الفضل نے مہمایا لکھا ہے جو یہاں کی رانی تھی۔ لیکن دنیا میں بدی دیکھ کر آتم ہتھیا کر لی۔ کچھ
مہمایا مہادیو کی شتی بھی سمجھتے ہیں۔

جوالا کھی: بالاگھاٹ پہاڑ کے ٹھنڈے پانیوں میں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ چندر منی کٹوچ آبائی راجہ
کے قلعے کا نام فرشتہ بھیم کا قلعہ لکھتا ہے جس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ قلعہ غالباً راجہ بھیم چندر نے

کانگڑہ نہ صرف جالندھر کا حصہ رہا ہے بلکہ یہ علاقہ کشمیر کے راجہ شنکرور مانے بھی ختم کیا تھا۔ راجہ شنکرور مانولا کھ
میں سوا تھی لے کر گجرات فتح کرنے لگا۔ تری گارتا کا راجہ پر تھوی چندر پہلے ہی اپنا بیٹا یرغمال کے طور پر راجہ شنکرور مان
چکا تھا لیکن جب اس نے سمندری فوج بڑھتے دیکھی تو فیصلہ نہ کر پایا اور قلعے سے اٹھ بھاگا۔

(ایسے کاغذات پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ خاں صاحب پران کے سیاسی مسلک کا گہرا اثر تھا اور اسی نے
اسے کوئی مسلک کوڑھانپ لیا تھا۔)

اشفاق احمد کی بطور براڈ کاسٹر قومی خدمات

محمد جاوید پاشا

23 مارچ کی قیام پاکستان کے حوالے سے بہت اہمیت ہے۔ یہ قرارداد لاہور کا اہم دن ہے، وہ قرارداد جو قیام
پاکستان کی دستاویزی شکل میں وجود میں آنے کا باعث بنی جس نے مسلمانوں کو باقاعدہ ایک قوم کی حیثیت سے ایک ملک
تعمین کی بنیاد فراہم کی۔ قرارداد لاہور جو 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں منظور کی گئی، میں واضح طور پر کہا گیا کہ کوئی
مجموعہ منسوبہ اس وقت تک قابل عمل اور مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا تا وقتیکہ وہ ایسے اصولوں پر وضع نہ کیا گیا ہو
جس میں جغرافیائی طور پر مستقل وحدتوں کی حد بندی ایسے خطوط میں کی جائے کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت